غیرت کے نام پر قتل
یا (کاروکاری) کی شرعی حیثیت

تحقیق وترتیب: مولانا ظفریاب
شریک درجہ تخصص سال دوم

کاروکاری یا غیرت کے نام پر قتل یعنی (HONOUR KILLING) کہا جاتا ہے۔ جس کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ عورت اور مرد اگر اپنے بڑوں یا سماج کی منظوری کے بغیر آپس میں رشتہ استوار کرتے ہیں تو وہ واجب القتل ہیں۔ چاہے اس رشتے کی نوعیت اسلامی تعلیمات کی رو سے جائز ہی کیوں نہ ہو، اس نوع کے رشتہ وتعلق کے بنیاد پر عورت اور بعض اوقات مرد کو قتل کردینا ''کاروکاری'' کہلاتا ہے۔ اور یہ مرض ہم نے ہندوؤں تہذیب ومعاشرت سے مستعار لیا ہے لیکن اس کی روح یقیناً اس سماجی جبر سے تعلق رکھتی ہے۔ جو حقوق نسواں کے ابطال پر استوار ہے اور اس قبیح فعل کو غیرت کا تقاضہ قرار دے کر پسندیدہ اور قابل قبول ہی نہیں باعث فخر سمجھ لیا جاتا ہے۔ یہ مرض یوں پاکستان کے تمام صوبوں میں موجود ہے لیکن صوبہ سندھ خاص طور پر اس کا نشانہ ہے جہاں وڈیرہ ازم اور جاگیردارانہ تسلط نے قبائلی اور نسلیعصبیتوں کو ابھی تک معاشرتی امتیاز وافتخار کا وسیلہ بنا رکھا ہے۔ گزشتہ (2002)ء میں سال کے ۵ ماہ کے اعداد وشمار کے مطابق کم وبیش (۲۷۰) انسانی جانیں کاروکاری کی بھینٹ چڑھ گئیں اور نہیں معلوم کہ ان میں سے کتنے حقیقی مجرم تھے اور کتنے مجرم بنا دیئے گئے ان ۵ ماہ کے دوران لاڑکانہ ۳۴ سکھر میں ۲۴، بدین میں ۱۵، نوشہرہ فیروز میں ۲۲، جیکب آباد میں ۲۹، گوٹکی میں ۱۸، حیدرآباد میں ۱۰ عمرکوٹ میں ۱۲، شکارپور میں ۱۸، دادو میں ۱۴ اور نواب شاہ میں ۱۲۶ انسانوں کو قتل کیا گیا ان میں ۲۴۵ عورتیں تھیں اور ۱۳۵ مرد زیادہ تر خواتین کو ان شوہروں، بھائیوں یا والدین نے قتل کیا۔ ۴۰ فی صد عورتوں کی لاشوں کو دریا میں پھینک دیا گیا جن کی نہ نماز جنازہ پڑھائی گئی نہ تجہیز وتکفین ہوئی، بلوچستان میں 2002ء میں ۱۲۷ عورتیں اور ۹۰ فرد کاروکاری کی بھینٹ چڑھے یعنی غیرت کے نام پر قتل ہوئے اور غیرت کے نام پر قتل وغارت گری کی ایسی ہی وارداتیں سرحد اور پنجاب میں بھی معمول حیات کا درجہ رکھتی ہے۔ کاروکاری محض غیر اسلامی ہی نہیں اس کا ارتکاب معاشرے کی باہمی دشمنی اور سالہا سال پر محیط خاندانی رنجشوں کے ایسے جنگلوں میں دھکیل دیتا ہے جس سے نکلنے کا کوئی راستہ ہی نظر نہیں آتا، چند نوخیز جوانیاں یا زندگیاں ہی اس کا نشانہ نہیں بلکہ پوری معاشرے کا تانہ بانہ بکھر جاتا ہے اور کئی خاندانوں کی زندگیاں جہنم کا ایندھن بن جاتی ہے یہ قبیح فعل پوری دنیا میں پاکستانی معاشرے کی انتہائی بھیانک تصویر پیش کر رہا ہے اور اسے اسلام جیسے روشن دین سے وابستہ کر کے ہمارے دشمن پورے اسلام کو مسخ کر رہے ہیں (ادارہ)

ذیلی عنوانات

۱) غیرت کا مفہوم اور اس کے تقاضے
۲) اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیرت کا مقام
۳) نکاح بغیر ولی کی شرعی حیثیت
۴) دلائل احناف
۵) ولایت اجبار
۶) ولایت کا حق اعتراض
۷) فسخ کا حق

غیرت کامفہوم اوراس کے تقاضے:۔

غیرت آدمی کی اندرونی کیفیت وحالت کی اس تغیر کو کہتے ہیں جو اپنے قرب وجوار اور معاشرے میں کسی ناگوار چیز کو دیکھنے پر پیدا ہوتا ہے اب مثلاً کوئی مرد اپنی عورت کو غیر مرد کے پہلو میں دیکھے تو اس صورت میں اسلام کیا کہتا ہے جب کہ ایک انسان اپنی طبعی غیرت کی بنیاد پر یہ چاہتا ہے کہ اس آدمی اور اپنی عورت دونوں کو قتل کردے۔ ایسا ہی ایک واقعہ دربار رسالت مآب ﷺ میں پیش ہوا۔ ایک صحابی جن کا نام عویمر عجلانیؓ تھا۔ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اس شخص کے بارے میں بتائیے جو اپنے بیوی کے ساتھ اجنبی مرد کو پائے اور اسے یہ یقین ہو کہ اس مرد نے اس کے بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے تو کیا وہ اس مرد کو قتل کرڈالے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عویمرؓ جاؤ اپنے بیوی کو بلاؤ اللہ نے تمہارے بیوی کے معاملے میں حکم نازل فرمایا ہے پھر ان دونوں کو بلا کر حضور ﷺ نے مسجد کے اندر لعان کردیا۔ لعان اور ملاعنت کے معنی ایک دوسرے پر لعنت کرنے کے ہیں اصطلاح شرع میں میاں بیوی دونوں کو چند خاص قسمیں دینے کو لعان کہا جاتا ہے۔ مثلاً جب کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام عائد کرتا ہے تو شرعاً شوہر سے یہ مطالبہ کیا جاوئے گا کہ الزام زنا پر چار گواہ لائے اور اگر وہ چار گواہ پیش کردے تو عورت پر حد زنا لگائی جائے گی۔ اگر وہ چار گواہ پیش نہ کرسکا تو دونوں میں لعان کروایا جائے گا اب یہ ایک مشکل مرحلہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کے پہلو میں کسی غیر مرد کو دیکھ لے اور گواہ ڈھونڈتا پھرے لیکن اس معاملہ میں شریعت کے حکم پر عمل کرنا ظاہری غیرت مندی کے تقاضے پر عمل کرنے سے زیادہ ضروری ہے۔

رواہ عن مغیرہؓ قال سعد بن عبادہؓ لو رایت رجلاً مع امراتی ضربته بالسیف غیر مصفح فقال النبی ﷺ اتعجبون من غیرۃ سعد لانا اغیر منه واللہ اغیر منی (بخاری ص۱۰۹ ج۲ اردو) ''حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے کہا اگر میں کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھوں تو میں تلوار سے قتل کردوں جب نبی کریم ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا تمہیں سعدؓ کی اس غیر معمولی غیرت مندی پر تعجب ہے بلاشبہ سعدؓ غیرت مند ہے میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے۔ (بخاری ومسلم)۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیرت کامعیار:۔

حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ غیرت مند ہے اور مؤمن بھی غیرت مند ہے اللہ کی غیرت کا تقاضہ ہے کہ مومن وہ کام نہ کریں جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے (بخاری ومسلم) صاحب مظاہر حق لکھتے ہیں اللہ نے اپنی غیرت ہی کی وجہ سے گناہوں کو حرام کیا ہے اور اللہ کی غیرت کے معنی یہی ہے کہ اس نے لوگوں کو حرام امور اختیار کرنے سے منع کیا ہے اور حرام امور اختیار کرنے پر عذاب مقرر کیا ہے چنانچہ اصل میں غیرت کا مطلب یہی ہے کہ آدمی اس بات کو ناپسند کریں اور اس پر ناراض ہو کہ کوئی اس کی

ملکیت میں تصرف کریں اب انسانی جان و مال کا مالک اللہ ہے اور انسان کو قتل کرنا اللہ کی ملکیت میں تصرف کرنا ہے جو اللہ کو پسند نہیں ۔حضرت مظہر فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کی یہ خواہش تھی کہ اگر مرد کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے پاس پائے تو اس کو قتل کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے ۔لیکن نبی کریمؐ نے بلیغ انداز میں یہ اجازت دینے سے انکار کر دیا اس لئے جمہور علماء کا قول یہی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ منہ کالا کرتے ہوئے پائے تو اسلامی قانون کے مطابق اس شخص کو سزائے موت دی جائے ہاں اگر وہ اس بات پر چار گواہ پیش کردے کہ مقتول نے اس کی بیوی کے ساتھ منہ کالا کیا تھا ۔تو اس صورت میں سزائے موت دی جائے گی لیکن حاکم وقت موقع محل اور جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سزا میں کمی زیادتی اور تغیر و تبدل کر سکتا ہے ۔قرآن و حدیث اور فقہاء کی آراء کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ مرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کو قتل کردے اگر اسے یقین ہو کہ اس کی بیوی زانیہ اور بدکار ہے تو لعان کے ذریعے ان میں تفریق کی جاوے گی بیوی کو جان سے مار دینے کا حق شوہر کو اسلام نے نہیں دیا البتہ اسلامی ریاست میں عدالت کے ذریعے اس کے لئے سزائیں قوانین مرتب ہیں ۔

نکاح بغیر ولی کی شرعی حیثیت:۔

(نوٹ)(غیرت کے نام پر قتل کا حادثہ اکثر اوقات اس نظریئے کے تحت پیش آتی ہے کہ اس میں لڑکے اور لڑکیوں کا نکاح بغیر اجازت ولی سرانجام ہوتی ہے اس لئے ذیل میں نکاح میں ولی کی اجازت کا اعتبار اور عدمِ اعتبار تفصیلاً بیان کی جاتی ہے)

جمہور کے نزدیک عبارتِ نساء سے نکاح منعقد نہیں ہوتا بلکہ ولی کی تعبیر ضروری ہے،اور اس میں صغیرہ و کبیرہ باکرہ اور ثیبہ عاقلہ اور مجنونہ سب برابر ہے ۔اس کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ عبارت نساء سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے بشرطیکہ عورت آزاد اور عاقلہ اور بالغہ ہو البتہ ولی کا ہونا مندوب و مستحب ہے ۔اس مسئلہ میں حنفیہ کو بہت زیادہ نشانہ ملامت بنایا گیا اس لئے کہ اس میں امام ابوحنیفہؒ متفرد ہیں ۔بلکہ اس مسئلہ میں بہت سے وہ فقہاء بھی ان کا ساتھ چھوڑ گئے ہیں جن کا مذہب عموماً ابوحنیفہؒ کے مطابق ہوا کرتا ہے مثلاً ابراہیم نخعیؒ ،سفیان ثوریؒ ،عبداللہ بن المبارکؒ وغیرہ ۔حالانکہ وقعہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بھی ،امام ابوحنیفہؒ کا مسلک متفرد ہونے کے باوجود نہایت مضبوط قوی اور راجح ہے ۔جمہور کا استدلال ابوموسیٰؓ کی حدیث "لا نکاح الا بولی" اور حضرت عائشہؓ کی روایت "ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل سے ہے فرمان باری تعالیٰ ہے فانکحوھن باذن اھلھن (نساء ایت ۲۵)اس ایت سے بھی جمہور کے مسلک پر استدلال کیا گیا ہے کہ اس میں بھی خطاب مردوں کو کیا گیا ہے ۔

"ولو کان النکاح الی النساء لذکرھن" اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح کی نسبت عورت کی طرف دوسری آیات سے ثابت ہے، اس کے علاوہ آیت سے تو حنفیہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے ۔"لان فیھا دلالۃ علیٰ ان للمرأۃ ان تزوج امتھا لان قولہ

"اھلھن" المراد بہ الموالی اعم من ان یکون ذکراً او انثیٰ.(احکام القرآن ص ۲۳۹) سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوھریرہؓ کی روایت ہے قال قال رسول اللہ ﷺ لا تزوج المراۃ ولا تزوج نفسھا فان الزانیۃ ھی التی تزوج نفسھا اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں جمیل بن الحسین العتکی ایک متکلم فیہ راوی ہے اگر ان کے ثقہ ہونے کے قول کو بھی اختیار کیا جائے تب بھی یہ روایت متکلم فیہ نکاح بلا بینہ اور نکاح فی غیر کفو محمول ہو سکتی ہے۔اور ھدایہ میں امام ابوحنیفہؒ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ایک یہ ہے یعنی "علی الاطلاق جواز نکاح کفو میں ہو یا غیر کفو میں البتہ بلا ولی خلاف مستحب ہے۔یہی روایت ظاہر الروایۃ ہے دوسری روایت میں حسن بن زیادؒ سے مروی ہے۔یعنی اگر اس عورت نے نکاح کفو میں کیا ہے تو درست اگر غیر کفو میں کیا ہے تو درست نہیں۔"واختار بعض المتاخرین الفتویٰ بھذہ الروایۃ لفساد الزمان (تبین الحقائق ص ۱۱۷ ج ۲)

امام ابو یوسفؒ سے اس مسئلہ میں تین روایتیں منقول ہیں۔ان کی پہلی روایت جمہور کے مطابق تھی یعنی "بلا ولی مطلقاً عدم جواز بعد میں انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت کی طرف رجوع کر لیا تھا۔یعنی عدم جواز فی غیر الکفو آخر میں انہوں نے امام صاحب کی پہلی روایت کی طرف رجوع کر لیا تھا یعنی مطلقاً جواز جو ظاہر الروایۃ ہے۔امام محمدؒ کا اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں پہلی روایت یہ ہے کہ "نکاح بغیر ولی" ولی کی اجازت پر موقوف ہے خواہ نکاح کفو میں ہو یا غیر کفو میں ہو البتہ اگر کفو میں اور ولی اجازت نہ دے تو قاضی کو چاہیئے کہ تجدید عقد کر دے اور ولی کی بات کی طرف توجہ نہ دے۔

ان کی دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کی پہلی روایت کی طرف رجوع کر لیا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ یہ امام ابوحنیفہؒ کی پہلی روایت ہے۔صاحبین کا اس پر اتفاق ہے کہ عبارت مکلفہ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔خواہ کفو میں ہو یا غیر کفو میں۔

دلائل احناف:۔

جمہور کے دلائل کے مقابلہ میں حنفیہ کے دلائل کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے،جن کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ قرآن کریم میں اولیاء کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے۔"واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلو ھن ان ینکحن آزواجھن" جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو اب نہ روکو ان کو اس سے کہ نکاح کر لیں اپنے شوہروں سے۔(بقرہ آیت نمبر ۲۳۲)

اس آیت سے دو طرح حنفیہ کے مسلک پر استدلال ہے ایک یہ کہ اس میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی جو اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح عبارت نساء سے منعقد ہو جاتا ہے دوسرے اس میں اولیاء کو منع کیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کو اپنے سابقہ ازواج سے نکاح کرنے سے نہ روکیں معلوم ہوا کہ اولیاء کو مکلفہ عورت کے معاملہ میں مداخلت کا حق نہیں اس میں پہلا استدلال اشارۃ النص سے اور دوسرا

استدلال عبارۃ النص سے لیکن اس پر شافعیہ کی جانب سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ آیت تو ہمارے مسلک کی دلیل ہے اس لئے کہ نہی تو اس وقت درست ہوسکتی ہے جب کہ اولیاء کو منع نکاح پر قدرت ہو اور اگر یہ مان لیا جائے کہ نکاح بغیر ولی کے منعقد ہوسکتا ہے۔ تو پھر اولیاء کو منع کرنے کی قدرت ہی نہ رہی اور اس صورت میں نہی بے فائدہ ہے۔

چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں "هذه آبين آية في كتاب الله تعالىٰ تدل علىٰ ان النكاح لا يجوز بغير ولي لانه نهى الولي عن المنع و انما يتحقق المنع منه اذا كان الممنوع في يده كذا في مبسوط للسرخسي ص ۱۱/۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں قانونی اور شرعی رکاوٹ مراد نہیں۔ بلکہ اخلاقی اور معاشرتی دباؤ مراد ہے جو عورتوں کے حق میں عموماً موثر ہوتا ہے. چنانچہ یہ آیت حضرت معقل بن یسارؓ کی واقعہ میں نازل ہوئی جو اپنی بہن کو سابق شوہر سے نکاح کرنے سے روک رہے تھے آیت کا یہ مفہوم "ینکحن" میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کرنے سے مؤکد ہو جاتا ہے۔

"فاذا بلغن اجلهن فلا جناح عليكم فيما فعلن في انفسهن بالمعروف" جس کا مطلب یہ ہے کہ عدت گزرنے کے بعد عورتیں نکاح کے معاملے میں مکمل مختار ہیں اور " فعلن في انفسهن " کے الفاظ صراحۃً بتا رہے ہیں کہ نکاح عورت کا فعل ہے اور اس کی عبارت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتىٰ تنكح زوجاً غيره" اس میں بھی نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے جو اشارۃ النص کے طور پر عبارت نساء سے نکاح کے منعقد ہونے کی دلیل ہے۔ موطا امام مالکؒ میں حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں "و لدت سبعية الاسلمية بعد و فاة زوجها بنصف شهر فخطبها رجلان آحد هما شاب و الاخر كهل فحطبت الى الشاب فقال الكهل لم تحلّي بعد و كان اهلها غيبا و رجاء اهلها آن يوثر وه بها فجاء ت رسول ﷺ فذكر ت له ذلك فقال قد حللت فانكحي في شئت" موطا امام مالکؒ اور بخاری میں روایت ہے کہ ایک عورت نے اپنے نفس کو آنحضرت ﷺ پر پیش کیا، آپ ﷺ نے سکوت فرمایا اور ایک صحابیؓ کی درخواست پر ان سے نکاح کر دیا اس واقعہ میں عورت کا کوئی ولی موجود نہ تھا۔ طحاویؒ نے حضرت اُم سلمہؓ سے مروی کیا ہے "قالت دخل على رسول الله ﷺ بعد وفاة ابى سلمةؓ فخطبني الى نفسي فقلت يا رسول الله ﷺ انه ليس آحد من اوليائي شاهد افقال انه ليس منهم شاهد ولا غائب يكره ذلك قالت قم يا عمر ابن ابى سلمةؓ فزوج النبي ﷺ فتز وجها" (ص ۸ ج ۲)۔

یہ نکاح بھی بغیر ولی ہوا کیونکہ عمر بن ابی سلمہؓ نابالغ تھے۔ "و هو يومئذ طفل صغير غير بالغ" اس لئے ان کا نکاح کرانا شرعاً معتبر نہیں لہٰذا ان کو نکاح کے لئے کہنا محض مزاحاً تھا اور یہ کہنا کہ یہ نکاح حضرت محمد ﷺ کی ولایت عامہ کے تحت ہوا بعید ہے کیونکہ ولایت عامہ کو اس موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جب کہ نسبتی اولیاء زندہ نہ ہوں۔ صحاح کی معروف روایت ہے "عن ابن عباسؓ ان النبي

ﷺ قال الایم احق بنفسها من ولیہ والبکر تستاذن فی نفسها واذنها صماتها" ایم کے معنی بے شوہر عورت کے ہیں حنفیہ کے نزدیک یہ لفظ باکرہ اور ثیبہ دونوں کو شامل ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس سے مراد صرف ثیبہ ہے۔ اگر علی سبیل التنزل امام شافعیؒ کی تفسیر کو اختیار کرلیا جائے اور اس سے صرف ثیبہ مراد لیا جائے تب بھی زیر بحث مسئلہ میں حنفیہ کا استدلال درست ہے کیونکہ کم ازکم ثیبہ کے بارے میں اس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ اپنے نکاح کی ولی سے زیادہ حقدار ہے۔

طحاویؒ میں روایت یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی بھتیجی بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا نکاح ان کے والد کی غیر موجودگی میں منذر بن زبیرؓ کے ساتھ کردیا یہ نکاح بھی بغیر ولی تھا۔ کنز العمال میں روایت ہے کہ حضرت علیؓ بغیر ولی کے نکاح کرنے سے بتاکید منع فرمایا کرتے تھے لیکن کوئی ایسا نکاح ہوجاتا تو اسے نافذ قرار دیتے تھے۔ "کان علی اذا رفع الیہ رجل تزوج امراۃ بغیر ولی فدخل بها امضاہ" (ص ۵۳ ج ۱۶) عن ابی سعیدبن المسیبؒ قال قال عمر بن الخطابؓ لا تنکح امراۃ الا باذن ولیها او ذی الرای من اهلها اوالسلطان" (کنز العمال ص ۵۳۰ ج ۱۶)

اس طرح انہوں نے نکاح بغیر ولی کی اجازت دے دی بشرطیکہ ذی رائے اقارب کی اجازت سے ہو اگرچہ وہ غیر ولی ہوں۔ جہاں تک حضرت ابوموسٰیؓ اور حضرت عائشہؓ کی احادیث باب کا تعلق ہے ان کا بعض حنفیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں سنداً ضعیف ہیں حضرت ابوموسٰیؓ کی حدیث اضطراب کی بناء پر ضعیف ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت اس بناء پر کہ وہ ابن جریج عن سلیمان بن موسیٰ عن الزھری کے طریق سے مروی ہے اور خود ابن جریج فرماتے ہیں۔ "ثم لقیت الزھری فسالتہ فانکرہ کمانقل الترمذی فی الباب"

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان اعتراضات کی وجہ سے ان حدیثوں کو بالکلیہ رد نہیں کیا جاسکتا جہاں تک حضرت ابوموسٰیؓ کی حدیث کے اضطراب کا تعلق ہے سو امام ترمذیؒ نے متعدد طریق میں اسرائیل بن یونسؒ کے طریق کو راجح قرار دیا ہے اس طرح اضطراب رفع ہوجاتا ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت پر ابن جریج کے جس مقولہ کی وجہ سے اعتراض کیا گیا ہے اس کے جواب میں امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن جریج کا یہ جملہ سوائے اسماعیل بن ابراھیمؒ کے کوئی اور روایت نہیں کرتا اور اسماعیل بن ابراھیم کا سماع ابن جریج سے درست نہیں ، چنانچہ یحیٰی بن معینؒ نے ابن جریج سے ان کی روایات کو ضعیف قرار دیا ہے، لہٰذا ان کے مقولہ کی بناء پر حدیث باب کہنا مشکل ہے۔ لہٰذا ان روایات کا احناف کی جانب سے صحیح جواب یہ ہے کہ یا تو اس صورت پر محمول ہیں۔ جب کہ عورت ولی کے غیر کفو میں نکاح کرلیا ہو اور حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی اس صورت میں نکاح باطل ہے اس روایت پر فتویٰ بھی ہے۔ یا پھر "لانکاح الا بولی" میں نفی سے نفی کمال مراد ہے۔ "وقد زیف بعض اهل العلم هذا التاویل وقال انما یتاتی ذلک فی

العبادات والقرب التی لها جهتان فی الجواز من ناقص و کامل و آما المعاملات التی لهاجهة واحد فان النفی یوجب فیها الفساد او کل ما هٰذا معناه قلت ان هٰذا القائل قصد بنفی الکمال ارتهان العقد بما عسی ان ینقصه بعد الایرام من اعتراض الولی فیما له فیه حق الاعتراض فاذا عقد بر ضاه انتفی منه هٰذه النقیصة و هٰذا کلام صحیح اھ کذا فی التعلیق الصبیح ص ۷ ا ج ۴)

اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں فنکاحها باطل کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نکاح فائدہ مند نہیں ہوتا ارشاد باری تعالیٰ ہے ربنا ماخلقت هٰذا باطلا" (آل عمران ۱۹۱) میں لفظ باطل اس معنی میں آیا ہے۔ نیز "فنکا حها باطل" کا ایک مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ایسا نکاح ناپائیدار ہوتا ہے۔ کہ عدم کفاءت اور مہر مثل سے کمی کی صورت میں ولی کے مطالبہ پر ختم کیا جا سکتا ہے۔ لفظ "باطل" فانی اور ناپائیدار کے معنی میں لبید کے شعر میں بھی آیا ہے۔ "الا کل شی ماخلا الله باطل. ای فانٍ و زائل" اس کے علاوہ اس روایت میں "نکحت نفسها بغیر اذن ولیها" کے الفاظ آئے ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اجازت لے لی تو عورت کی عبارت سے نکاح منعقد ہو جائے۔

(درس ترمذی ص ۳۷۳۔۳۸۲ ج ۲)

ولایت اجبار:۔

امام شافعیؒ کے نزدیک ولایت اجبار کا مدار عورت کے باکرہ اور ثیبہ ہونے پر ہے یعنی باکرہ پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ اور ثیبہ پر ولایت اجبار نہیں خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔ اس کے برعکس ہمارے نزدیک ولایت اجبار کا مدار صغر اور کبر پر ہے لہٰذا صغیرہ پر ولایت اجبار ہے اور کبیرہ پر نہیں خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ گویا صغیرہ باکرہ پر بالاتفاق ولایت اجبار ہے اور کبیرہ ثیبہ پر بالاتفاق ولایت اجبار نہیں اور کبیرہ باکرہ پر شافعیہ کے نزدیک ولایت اجبار ہے ہمارے نزدیک نہیں اور صغیرہ ثیبہ پر ہمارے نزدیک ولایت اجبار ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں۔

امام شافعیؒ کا استدلال حضرت ابن عباسؓ کی معروف روایت سے ہے" ان رسول الله ﷺ قال الایم احق بنفسها من ولیها" وہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر ایم سے مراد ثیبہ ہے اور باکرہ کی ذکر اس روایت میں ہے "والبکر تستاذن فی نفسها و اذنها صماتها اور جب ایمّ سے ثیبہ مراد ہوئی تو اس کا مفہوم مخالف یہ ہو "البکر لیست احق بنفسها من ولیّها"

جب کہ حنفیہ کے دلائل درج ذیل ہیں۔ حضرت ابوھریرہؓ کی مرفوع حدیث ہے لا تنکح الثیب حتیٰ تستامر و لا تنکح البکر حتیٰ تستاذن و اذ نها الصموت (تسکت) اس میں ثیبہ اور باکرہ دونوں کا حکم بیان کیا گیا ہے یہ فرق صرف طریق اجازت میں ہے۔ (بخاری ص ۷۷۱ ج ۳)

سنن نسائی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے "ان فتـاةً دخلت علیها فقالت ان ابی زوجنی ابن اخیه لیر فع بی خسیسة وانـا کـارهة فقالت اجلی حتیٰ یاتی النبی ﷺ فجاء رسول ﷺ فا خبر ته فار سل الی ابیها فد عا فجعل الامر الیهـا فـقـالت یا رسول اللہ ﷺ قداجزت ماصنع آبی ولکنْ اردت ان اعلم ا لنساء من الا مرشی" اور سنن ابن ماجہ میں ان کے الفاظ مروی ہیں۔ "فـقالت قد اجزت ماصنع ابی ولکن اردت ان تعلم النساء ان لیس الی الاباء من الامر شیٌ بعض شافعیہ نے اس میں یہ تاویل کی ہے۔ کہ عورت ثیبہ تھی لیکن اول تو روایت میں اس پر کوئی دلیل نہیں دوسرے اس عورت نے یہ کہا کہ میرا مقصد اس مسئلہ کا اعلان تھا کہ آباء کو عورتوں پر ولایت اجبار نہیں اور اس نے یہ اعلان مطلق الفاظ میں کیا۔ جس میں باکرہ اور ثیبہ کی کوئی تفریق نہیں اور آنحضرت ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں "جـریـر بن حازم عن ایوب عن عکر مةؒ" کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت مروی ہے۔ "ان جـاریة بـکـرا اتت النبی ﷺ فذکرت ان ابا ها زوجها و هی کارهة فخیر ها النبی ﷺ" یہ روایت حنفیہ کے مسلک پر صریح ہونے کے ساتھ صحیح بھی ہے، یحییٰ بن سعید القطانؒ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔ لیکن پھر انہوں اس روایت کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ روایت "نکاح فی غیر کفو" پر محمول ہے لیکن یہ جواب دہی مفید نہیں اس لئے کہ روایت کفو اور غیر کفو سے خالی ہے نہ ہی نبی کریم ﷺ نے اس عورت سے دریافت فرمایا کہ "هـل زوجت فی الکفو ام فی غیر الکفو" لہٰذا غیر کفو کا امکان احتمال ناشی من غیر دلیل ہے۔ اس کے علاوہ روایت میں "و هی کار هة" کا جملہ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ تحقیر کراہت کی وجہ سے تھی نہ کہ عدم کفاءت کی وجہ سے جہاں تک حضرت ابن عباسؓ کے روایت میں الایم احق بنفسها من ولیها" سے شافعیہ کے استدلال کا تعلق ہے اس کا جواب یہ ہے کہ "ایم" سے مراد بے شوہر عورت ہے اور اس کا اطلاق باکرہ اور ثیبہ دونوں پر ہوتا ہے۔ البتہ باکرہ کا ذکر الگ سے اس لے فرمایا گیا کہ اس کا طریقہ اجازت دوسرا تھا اور اگر بالفرض "ایم" سے مراد ثیبہ ہی لی جائے تب بھی مفہوم مخالف سے استدلال ہمارے نزدیک درست نہیں بالخصوص جب کہ وہ منطوق کے خلاف ہو اور منطوق یہ ہے "البکر تستاذن فی نفسها" (درس ترمذی ص ۳۸٦ ج ۲)

اور اس طرح تاتارخانیہ میں ہے کہ الحرة العاقلة البالغة اذا زوجت نفسها من رجل هو کفو لها او لیس بکفو لها و فی الـخـانیه بکرا کانت او ثیبا نفذ النکاح فی ظاهر الروایة ابی حنیفةؒ وهو قول ابی یو سفؒ آخرا الاان الزوج اذا لـم یکن کفوا فللا ولیاء حق الا عتراض وروی الحسن عن ابی حنیفةؒ ان الزوج اذالم یکن کفوا لا ینفذ النکاح وکان ابو یوسفؒ اولا یقول یتوقف النکاح الی ان یجیزه الولی اوالحاکم علی کل حال وهو قول محمدؒ وصح رجـوع مـحـمـد الی قول ابی حنیفةؒ و ابی یوسف آخرا و فی الخانیه والمختار فی زما نناللفتویٰ روایة الحسن

وقال ابو يوسفؒ الاحوط ان يجعل العقد مو قو فاً علٰى اجازة الولی لان الزوج اذالم یکن کفوا یصح فسخ الولی وان کان کفوا لایصح فسخه.و فی الهداية و قال مالک والشافعیؒ النکاح لا ینعقد بعبارة النساء اصلا و فی الکافی سواء زوجت نفسها او بنتها اوامتها وتوکلت با لنکاح من الغیراوزوجت نفسها باذن الولی و فی السغناقی ومن العلماء من یقول ان کانت غنیة شریفة لم یجز تز ویجها نفسها بغیررضا الولی و ان کانت فقیرة خسیسة یجوز منهم من فصل بین البکر والثیب وهوقول اصحاب الظواهر رتا تارخانیہ ص۱۳ ج۳)

رجل زوج اخته بر ضا ها وقال ابوها ابطلت النکاح لا یکون ابطالا حتی یبطله القاضی ولیس له ان ینقض اشار الٰی ان فی النکاح بغیر ولی یحتاج الٰی ابطال القاضی ولا یکفیه ابطال الولی.و فی الفتاویٰ الفضلی سئل عن امراة زوجت نفسها بحضرةامر آتین و حضرة و لیها من رجل قال النکاح جائز علٰی مذهب ابی حنیفةؒ و یصیر الولی شاهدا مع امرآتین اکثر ما فیه ان الولی اذا اعتبر شاهد اکان هٰذا بغیر ولی الا آن النکاح بغیر و لی عنده جائز.و فی فوائدالمشائخ المتقد مین ببخارا ان القاضی اذا زوج صغیرة من نفسه فهو نکاح بغیر ولی.و فی فتاویٰ اهو، سئل القاضی بدیع الدین عن صغیرة تزوجت نفسها من کفو ولا ولی لها ولا قاضی فی ذلک الوضع قال ینعقدو یتوقف با جاز تها بعد بلوغها و فیها تزوجها علی انها مدنیة فاذا هی بخلافه جاز ولا خیار له (تا تارخانیه ۳۴) اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اسلام میں قتل جیسی سزا کا اختیار عام آدمی کو حاصل ہی نہیں ہے اسلام میں جرم وسزا کا جو ضابطہ مقرر ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سزائیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں جن کو شریعت کی اصطلاح میں حدود کہتے ہیں۔مثلاً حد سرقہ ،حد زنا وغیرہ ان سزاوں کو جاری کرنے کا اختیار اسلامی حکومت یا حکومت وقت کے مقرر کردہ نمائندہ کو ہوتا ہے۔غیرت کے نام پر بیوی کو قتل کرنا تو درکنار اسلام نے تو بیوی کو چہرہ پر تھپڑ مارنے سے منع فرمایا ہے۔نافرمان بیوی کی اصلاح کا انتہائی درجہ بیان کرتے ہوئے اگر چہ مارنے کی اجازت ہے لیکن ساتھ واضح کر دیا گیا ہے۔کہ وہ مار ایسی نہ ہو جس سے ہڈی ٹوٹ جائے یا جسم پر نشانات پڑ جائیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر چہ اللہ نے تادیب کے لئے مارنے کی اجازت دی ہے۔لیکن شریف لوگ ایسا نہیں کریں گے۔امہات المومنینؓ فرماتی ہیں کہ رحمت عالم ﷺ نے ساری عمر کسی عورت پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔

اگر عاقل بالغ لڑکی اپنی پسند سے کوئی ایسا رشتہ طے کرے جو والدین کو پسند نہ ہو یا والدین اس کو معاشرتی سطح کے لحاظ سے بے میل سمجھتے ہوں تو کیا ان کو یہ حق حاصل ہے کہ لڑکی کو یہ نکاح نہ کرنے کے لئے مجبور کر دیں اس کو فقہ کی اصطلاح میں ولایت اجبار کہتے ہیں۔

فقہاء کرام کو اس مسئلہ میں دو طرح کی رائیں پائی جاتی ہیں۔

(۱) اگر والدین اور اہل خاندان کو ولایت اجبار حاصل ہوتی ہے تو اس میں بھی بعض بے اعتدالیاں در آتی ہے۔ مثلاً یہ کہ کبھی کبھی وہ اپنی انا کی خاطر یا کسی ذاتی غرض کی وجہ سے ایسا رشتہ تجویز کر دیتے ہیں جو لڑکے اور لڑکی کے حق میں درست نہیں ہوتا۔

(۲) لیکن اس بے اعتدالی سے بچنے کے لئے بعض حضرات یہ تجویز پیش کرتے ہیں۔ کہ عاقل بالغ لڑکی کو اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا خود مختار ہونا چاہیئے وہ اس حقیقت پر توجہ نہیں دے رہیں کہ 18، 20 سال کی نوعمر لڑکی جو زمانے کے نشیب و فراز اور انسانی نفسیات کی پیچیدگیوں اور مستقبل کے اندیشوں سے ناواقف اور ناتجربہ کار ہے اس کا اپنے بارے میں فیصلہ کچھ بہت زیادہ دور اندیشانہ نہیں ہو سکتا اس لئے اس معاملہ میں بہت گہرائی سے غور کرنے کی ضرورت ہے کم از کم یہ ضروری ہونا چاہیئے کہ والدین جو رشتہ تجویز کریں لڑکی سے اس بارے میں مشورہ کریں اور اسے پوری سوچ کا موقع دے اس طرح لڑکی یا لڑکا کوئی رشتہ اپنے لئے پسند کریں تو والدین اور خاندان کے بزرگوں سے مشورہ کرے اور پھر انصاف اور اعتدال سے رائے دیں جس میں ذاتی انا جذباتیت یا خود غرضی اور جلد بازی سے کوئی فیصلہ نہ کیا جائے۔ (لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح کا اختیار ص ۲۵۴)

اولیاء کا حق اعتراض:۔

اگر عاقلہ بالغہ لڑکی کفو سے مہر مثل یا اس سے زیادہ پر اپنا نکاح کرے تو ولی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں یا اگر مہر کم مقرر کرے یا غیر کفو میں نکاح کرلے تو ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔ لیکن حق اعتراض اس لڑکی کی ماں بننے سے پہلے تک ہے چنانچہ علامہ بابرتیؒ ولی کے حق اعتراض پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں یعنی " **اذالم تلد من الزوج و اما اذا ولدت فليس للاولياء حق الفسخ كيلا يضيع الولد عمن يربيه (عنايه مع الفتح ص ۲۵۸ ج ۳)**

ولی کے حق اعتراض کا مطلب یہی ہے کہ ولی قاضی کے سامنے اپنا اعتراض پیش کرے اور قاضی تحقیق کر کے نکاح فسخ کر دے چنانچہ علامہ قہستانی ولی کے حق اعتراض کی تشریح میں فرماتے ہیں **ای ولاية المرافعة الى القاضى ليفسخ** (جامع الرموز ص ۲۰۱ ج ۲)

فسخ کا حق:

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بالغہ کا کیا ہوا نکاح جائز ہے خواہ کفو سے نکاح کیا ہو یا غیر کفو سے کیا ہو کامل مہر پر کیا ہو یا ناقص مہر پر البتہ غیر کفو سے نکاح کے وقت اور ناقص مہر کی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے امام ابوحنیفہؒ کے قول کی طرف امام محمدؒ کا رجوع مروی ہے۔ علامہ کاسانی نے فرمایا کہ اگر بالغہ نے غیر کفو میں نکاح کر لیا تو اس کے نافذ کرنے میں اگر چہ اولیاء کا ضرر ہے اور نافذ نہ کرنے میں عورت کی اہلیت کو باطل کرنے کا ضرر ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ دو ضرروں کے جمع ہونے کی حالت میں ممکن حد تک دونوں کو دفع کیا جائے یہاں ان کے دفع کرنے کی صورت یہ ہے کہ عورت کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے ہم نے نکاح کو نافذ کر دیا اور اولیاء کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے نکاح کو لازم نہیں کیا اور اولیاء کو اعتراض کا حق دے دیا (بدائع ص ۲۴۸ ج ۲)